ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

موضوعِ تحقیق کی تلاش و تعیین اُردو میں ادبی تحقیق کے تناظر میں

Searching the topic of research in Urdu: A Literary Perspective

Dr. Rafiuddin Hashmi, HEC Eminent Professor, Department of Iqbaliyat, Oriental College, Punjab University, Lahore.

Abstract:

In recent years some new universities have been established in the Indo-Pak sub-continents, increasing the number of departments of Urdu. Thus in these departments the number of research scholars has also increased. According to an estimate 4000 theses have been completed in the universities of Pakistan and India during this period and the growth in Urdu research has made it difficult for most of the universities to find appropriate subjects for research. In this essay some proposals are given and recommendations are made to find subjects for research in Urdu.

اُردو زبان و ادب سے متعلق تحقیق و تدوین کا زیادہ تر علاقہ پاکستانی جامعات اور ان کے اُردو شعبوں سے وابستہ طلبہ اور اساتذہ سے ہے۔ حالیہ برسوں میں پاکستان میں متعدد نئی جامعات قائم ہوئی ہیں اور یوں اُردو زبان و ادب کے شعبوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے اُردو شعبوں کے زیرِ اہتمام تحقیق و تدوین کا دائرہ بھی پھیل گیا ہے۔

جناب رشید حسن خاں (م:۲۰۰۶ء) نے اگرچہ یہ بات بھارتی جامعات کے تناظر میں کہی تھی کہ ''ہماری یونیورسٹیاں تحقیقی مقالوں کے کارخانوں کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔''[۱] لیکن بعض اصحاب کے نزدیک پاکستانی جامعات پر بھی جہاں اُردو زبان و ادب پر تحقیق کاروں کی تعداد میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے، رشید حسن خاں کی یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے۔[۲]

کارِ تحقیق سے وابستہ اساتذہ اور طلبہ کو بہ خوبی اندازہ ہے کہ تحقیق و تدوین کی وادیِ پُر خار میں طرح طرح کے مسائل اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کتنے ہی ہفت خواں طے کرنے کے بعد گوہرِ مراد ہاتھ آتا ہے۔ بعض امیدوار تو تحقیق کے بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیتے ہیں۔ بہر حال پہلے مرحلے پر سب سے بڑا مسئلہ موضوعِ تحقیق کی تلاش اور انتخاب و تعیین کا سامنے آتا ہے۔[۳]

طالبانِ تحقیق کی روز افزوں تعداد کے پیشِ نظر، ہماری بیش تر جامعات کو اس وقت ''موضوعاتِ تحقیق نہیں ملتے'' کا مسئلہ درپیش ہے۔ بعض جامعات کے شعبے تو برملا اس مشکل کا اعتراف کرتے ہیں مگر بعض صدورِ شعبہ کو بوجوہ اظہارِ اعتراف میں تأمل ہوتا ہے لیکن جس طرح کے موضوعاتِ تحقیق سامنے آرہے ہیں، اُن سے بخوبی اندازہ ہو رہا ہے کہ نئے موضوعات کا سخت ''توڑا'' پڑ گیا ہے۔ اسی ''توڑے'' کا نتیجہ ہے کہ موضوعات کے سلسلے میں کہیں تو مانگے تانگے پر کام چلایا جا رہا ہے، مثلاً: جن موضوعات پر ایم اے کے مقالے لکھوائے جا چکے ہیں، وہی ایم فل کا موضوع بن رہے ہیں۔ کہیں فقط ایک ہی کتاب پر ایم فل کے مقالے لکھوائے جا رہے ہیں۔ کہیں یہ بدعت وضع کی گئی ہے کہ دو دو تین تین اور چار چار رسائل یا افسانہ نگاروں یا شاعروں کو ایک ہی کٹھالی میں ڈال کر ''تھیسس'' بنایا گیا ہے۔ راقم کے نزدیک ہر رسالہ، افسانہ نگار یا شاعر اپنی شخصیت، اپنے مزاج، اور فکر و فن میں یکتا و منفرد ہوتا ہے۔ آپ اسے دوسروں کے ساتھ ملا کر کوئی ملغوبہ تو بنا سکتے ہیں، ''تھیسس'' نہیں۔ شاید اسی لیے ڈاکٹر گیان چند نے سندی مقالے کے لیے موضوع کی تلاش کو ''ٹیڑھی کھیر'' قرار دیا ہے۔[۴] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موزوں، موضوع مل جائے تو یوں سمجھیں کہ مقالہ نگار کا نصف کام ختم ہو گیا ہے۔[۵]

اس بے چارگی یا پس ماندہ ذہنیت کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات تحقیق کے لیے اپنی ''استطاعت سے باہر'' ناموزوں موضوعات متعیّن و مقرر کر لیے جاتے ہیں، جیسے ''جرمن ادب کے اُردو تراجم کا تجزیاتی مطالعہ''۔[۶] یا ''روسی ناولوں کے اُردو تراجم''۔[۷]

سوال یہ ہے: کیا تحقیق کار اور راہ نما اساتذہ کرام مذکورہ غیر ملکی زبانوں پر اتنی دسترس رکھتے ہیں کہ وہ ترجمے کی صحت اور اس کے اچھے برے معیار کا اندازہ کر کے، تراجم کا کھرا کھوٹا الگ کر سکیں؟ اگر ایسا نہیں تو پھر ان موضوعات پر تحقیق کیوں اور کیسے؟

مناسب، موزوں اور لائقِ تحقیق موضوع کی تلاش کے ضمن میں بعض اوقات تو شعبے کسی موضوع کا تعین کر کے طالبِ علم کو کام شروع کرنے کی ہدایت جاری کر دیتے ہیں، قطع نظر اس کے کہ طالبِ علم اُس خاص موضوع پر کام کرنے کی اہلیت یا رجحان رکھتا ہے یا نہیں، اور بعض اوقات شعبے موضوع کی تلاش کا فریضہ بھی طالبِ علم کو سونپ دیتے ہیں۔ ۸

بہر حال اس مسئلے پر دو پہلوؤں سے غور کیا جاسکتا ہے:

ایک تو یہ کہ کسی خاص طالبِ علم کے لیے کون سا خاص موضوع مناسب اور موزوں ہوگا۔ خود طالبِ علم کو کسی خوش فہمی کا شکار ہوئے بغیر، بڑی حقیقت پسندی کے ساتھ یہ دیکھنا چاہیے کہ موضوع اس کی صلاحیت اور لیاقت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب امیدوار اپنی حیثیت کا بڑے اعتدال اور خنک مزاجی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے اور خود کو معروضی پیمانے سے جانچنے پر قادر ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں کیوں کہ:

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے ۹

اگر موضوع، امیدوار کے رجحانِ طبع کے مطابق نہ ہوگا تو وہ لگن اور دل جمعی کے ساتھ کام نہیں کر سکے گا۔ ۱۰

راقم کو گذشتہ دو تین عشروں میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کی تحقیق کرانے کا جو تجربہ ہوا ہے، اس کی روشنی میں چند تجاویز ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ امیدوار کو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی رغبت یا اس کی دل چسپی زیادہ تر شاعری سے ہے یا نثر سے۔ موضوع اسی دل چسپی یا رغبت کے مطابق لینا مفید ہوگا۔
۲۔ جو لوگ موزوں طبع نہ ہوں، انھیں شعر و شاعری سے متعلق موضوع کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے۔
۳۔ اگر امیدوار موزوں طبع تو ہے مگر فنِ عروض اور اس کے متعلقات اور اس کی اونچ نیچ سے بہ خوبی واقف نہیں تو اسے تدوینِ شاعری سے متعلق موضوع دینا اسے مشکل میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔
۴۔ نثر ہو یا شاعری، جس صنفِ شعر (مثلاً: غزل، نظم، مثنوی، رباعی وغیرہ) یا صنفِ نثر (مثلاً: ناول، افسانہ، ڈراما، انشائیہ، تنقید وغیرہ) سے لگاؤ ہو اور اس کا خاصا مطالعہ کیا ہو، اسی سے متعلق موضوع اختیار کرنا بہتر ہوگا۔

۵۔ ڈاکٹر گیان چند کی یہ بات درست ہے کہ ''موضوع خالص تنقیدی نہ ہو''۔[۱۱] رشید حسن خاں کی رائے میں یہ تحقیق اور تنقید دونوں کی حق تلفی ہے۔[۱۲] ہمارے خیال میں موضوع کا تحقیقی ہونا ضروری ہے۔ البتہ اس میں تنقیدی پہلو بھی آ جائے تو حرج نہیں۔

۶۔ بعض موضوعات پر تحقیق کے لیے عربی یا فارسی کے مآخذ و مصادر سے رجوع و استفادہ ناگزیر ہوتا ہے، اس صورت میں اگر امیدوار مناسب حد تک عربی یا فارسی سے واقف نہیں تو اُسے ایسے موضوعات لینے سے گریز کرنا چاہیے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر محقق فارسی نہیں جانتا تو تحقیق ناقص ہو گی کیوں کہ اُردو سے متعلق بیشتر تذکرے تاریخیں، قدیم لغات، داستانیں اور مثنویوں کے مآخذی نسخے، غرض یہ ہے کہ بہت سا مواد فارسی میں ہے۔ [۱۳]

۷۔ ترجیحاً ایسا موضوع لینا چاہیے جو بامقصد تحقیق کے ذیل میں آتا ہو، قومی اور ملّی اہمیت رکھتا ہو، اور اس کا تعلق عملی زندگی سے ہو۔ ایسا مقالہ شائع ہو کر خلقِ خدا کے لیے افادے کا باعث ہوگا، یعنی ہم خرما و ہم ثواب۔

۸۔ موضوع کے انتخاب اور تعیّن سے پہلے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ متعلقہ موضوع سے متعلق مواد اور لوازمہ کس حد تک میسر و موجود ہے؟ اگر ہے تو کہاں سے مل سکے گا؟ کیا بآسانی دسترس میں آسکے گا؟ بعض امیدواروں خصوصاً طالبات کو بیرونِ شہر سفر کرنے میں مشکل درپیش ہوتی ہے۔ بعض موضوعات سے متعلق مطلوبہ لوازمہ بھارت کے مختلف کتب خانوں ہی سے میسر آ سکتا ہے، مگر بھارت کا سفر طالبات تو کیا بسا اوقات، طلبہ کے لیے بھی بسا اوقات کوہ قاف کا سفر ثابت ہوتا ہے۔ ویزے کا حصول ہی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔

جامعات پاکستان کی ہوں یا بھارت کی، موضوع تحقیق کے ضمن میں سب سے قوی رجحان کسی شخصیت کی علمی و ادبی خدمات یا فکر و فن کا جائزہ رہا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان اور بھارت کی جامعات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے ساڑھے چار ہزار مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ (یا ان میں سے کچھ زیرِ تحقیق ہیں۔) ان میں شخصیات سے متعلق مقالات کی تعداد سترہ سو ہے۔ ایک ہی شخصیت پر دو دو، چار چار مقالے تو خیر بیسیوں

شخصیاتِ ادب پر لکھوا ئے گئے اور بعض نسبتاً زیادہ معروف اور نام ورکبارِادب کو بار بار موضوعِ مقالہ بنایا گیا۔ میسر معلومات کی حد تک ،بعض شخصیات پر حسب ذیل تعداد کے مطابق ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے تحریر کیے گئے:

آغا حشر کاشمیری۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی	۶
محمد حسین آزاد۔ احمد ندیم قاسمی۔ کلیم الدین احمد	۷
ابوالکلام آزاد۔ فراق گورکھپوری۔ اکبرالہٰ آبادی	۱۰
میر انیس	۱۲
رشید احمد صدیقی۔ راجندر سنگھ بیدی۔ عصمت چغتائی۔ جوش ملیح آبادی	۱۳
فیض احمد فیض	۱۴
شبلی نعمانی۔ قرۃ العین حیدر۔ میر تقی میر۔ نظیر اکبرآبادی	۱۵
سر سید احمد خاں	۱۶
الطاف حسین حالی	۱۸
ڈپٹی نذیر احمد	۲۰
سعادت حسن منٹو	۲۰
کرشن چندر	۲۲
پریم چند	۲۶

بعض صورتوں میں تو ایک ہی موضوعِ تحقیق پر بارِدگر خامہ فرسائی کا جواز لاعلمی ہو سکتا ہے مگر تکرار تو بہر حال یہ ہے،وسائل، صلاحیتیں اور وقت کا ضیاع بھی۔[۱۴]

شخصیات سے متعلق موضوعات کے ضمن میں دو باتیں بحث طلب ہیں:

اوّل: کیا کسی شخصیت کو موضوعِ تحقیق بنانا چاہیے؟ اس باب میں ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ شخصیات کو موضوعِ تحقیق بنانا ایک فرسودہ اور پامال طریقِ تحقیق ہے ،یہ نقطہ نظر زیادہ تر سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق حضرات کا یا اُن سے متاثر و مرعوب بعض بااختیار اساتذہ کا ہے۔ مثلاً: ایک زرعی سائنس دان ڈاکٹر سید مشتاق حسین نے فرمایا ہے کہ ''سائنس میں تحقیق، حیاتِ سائنس دان پر نہیں ہوتی۔ اگر سائنس دان کی زندگی پر تحقیقی کام ہوتا ہے تو وہ صحافی

کرتے ہیں۔'' ۱۵؎ یہ فرمان بجا مگر انھوں نے غور نہیں فرمایا کہ اکابرِ ادب پر مقالوں میں فقط حیات پر تحقیق نہیں ہوتی۔ حیات و سوانح کا تمہیدی باب تو مقالے کا محض ایک حصہ ہوتا ہے، اصل موضوعِ تحقیق تو ادیب یا شاعر کا علمی و ادبی یا شعری کارنامہ ہوتا ہے۔ پھر سائنس دان اور ادیب کو ایک قطار میں کھڑا کر کے، اسلوبِ تحقیق میں یکسانیت یا مساوات کا مطالبہ کرنا اس لیے بھی درست نہیں کہ سائنس کی تھیوری اور ایجاد اور ادبی و شعری تخلیق دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ سائنس میں دو اور دو ہمیشہ چار ہوتے ہیں، مگر ادب میں دو اور دو، پانچ بھی ہو سکتے ہیں:

گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش ۱۶؎

شخصیت پر تحقیق کرتے ہوئے اُن ذہنی تبدیلیوں، نشیب فراز اور نشو و نما کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو شاعر یا ادیب کے فن کے پس پردہ کارفرما ہوتے ہیں۔ شعر و ادب کے حوالے سے تخلیقی عمل ایک پُراسرار اور پیچیدہ عمل ہے۔ اُسے سمجھنے کے لیے شخصیت اور اس کے سوانح کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہمارے خیال میں شخصیت کو موضوعِ تحقیق بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوم: یہ امر ضرور قابلِ غور ہے کہ کسی شخصیت پر اس کی زندگی ہی میں تحقیق ہونی چاہیے یا بعد از وفات اُسے موضوعِ تحقیق بنایا جائے۔ بعض حضرات (زیادہ تر نقاد) شدّ و مد سے اس بات کے قائل ہیں کہ شخصیات پر، ان کی حیات ہی میں تحقیق ہونی چاہیے کیوں کہ اس وقت جملہ مآخذ بہ سہولت دستیاب و میسر ہوتے ہیں مگر زیادہ تر اصحابِ تحقیق اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔ بھارت کے معروف نقاد اور محقق شمیم حنفی کہتے ہیں: ''زندہ ادیب پر کام نہیں ہونا چاہیے، تاوقتیکہ وہ اپنا سارا کام کر چکا ہو اور اس کی گنجایش نہ رہ گئی ہو کہ وہ مزید کوئی کام کرے گا۔'' ۱۷؎

رشید حسن خاں، مشفق خواجہ اور گیان چند جیسے اکابر محققین کا بھی یہی موقف ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل راوی ہیں کہ: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اس سلسلے میں بڑے مضبوط دلائل رکھتے اور اصرار کرتے تھے کہ کسی بھی شخصیت پر اس کے انتقال کے پچاس سال بعد ہی کام شروع ہونا چاہیے تاکہ اس کا سارا کام اور اس پر رائے سامنے آ جائے اور روابط و تعلقات اور ذاتی اثرات کی گرد بیٹھ جائے، تب یہ غیر جانب دارانہ کام ہو گا مگر بہت سے اساتذۂ جامعات (بیش تر وہ جن کا علاقہ تحقیق کے بجائے تنقید سے ہے) اور خصوصاً وہ فاضلین کرام

جو نئی نئی جامعات میں اُردو کی صدر نشینی پر متمکن ہوئے ہیں، انتظار کے قائل نہیں ہیں، شاید اس لیے کہ:

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب

ہمارے خیال میں اس کا حل یہ نکالا جا سکتا ہے کہ زندہ شخصیات کو صرف ایم اے یا زیادہ زیادہ ایم فل کی سطح تک موضوعِ تحقیق بنانے کی مشروط اجازت دے دی جائے، مثلاً: ایم اے کا مقالہ کم از کم ۶۵ سالہ اور ایم فل کا کم از کم ۷۰ سالہ شخصیت پر لکھا جائے۔

موضوعِ تحقیق کی تلاش و تعیین کے سلسلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی اصل ذمہ داری جامعات کے شعبوں، ان کے صدور اور نگران اساتذہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس ضمن میں اساسی کردار[18]، بہر صورت صدرِ شعبہ ہی ادا کرتا ہے۔ ذیل میں چند تجاویز پیش کی جا رہی ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر تلاشِ موضوع کے مسئلے سے عہدہ برآ ہونے میں آسانی ہوگی۔

ابتدائی اقدام کے طور پر جامعات کے ایسے تمام شعبوں میں جہاں ایم فل اور پی ایچ۔ ڈی سطح کی تحقیق ہو رہی ہے، تحقیق شدہ اور زیرِ تحقیق موضوعات کی فہرست موجود اور مہیا ہونی چاہیے۔ ایک جامع فہرست کی عدم دستیابی کا نقصان یہ بھی ہے کہ تحقیق کے اچھے یا بُرے رجحانات کا اندازہ نہیں ہوتا۔ فہرست سے ہمارے اُردو شعبوں کو اندازہ ہوگا کہ کن موضوعات پر کام ہو چکا ہے اور اب کچھ نئے موضوعات یا تحقیق شدہ موضوعات پر بعض نئے پہلوؤں یا نئے زاویوں سے تحقیق ہونی چاہیے۔

مقالات کی جامع فہرست سے اندازہ ہوگا کہ ایک ہی موضوع پر بہ تکرار مقالہ نویسی ہوتی رہی ہے، کبھی لاعلمی میں اور کبھی کسی مصلحت کے سبب (اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے) اس ضمن میں بعض جامعات، تحقیق کے لیے ایک جیسے موضوعات دینے میں اس قدر فراخ دل ہیں کہ ایک ہی شعبے کے دو امیدوار ایک ہی وقت میں، ایک ہی موضوع پر تحقیق کرتے نظر آتے ہیں، مثلاً: شعبہ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے حسبِ ذیل زیرِ تحقیق مقالے:

--- محمد نعیم اختر: ''مولانا اقبال سہیل کی علمی خدمات کا تنقیدی جائزہ''
نگران: مسز قیصر جہاں [19]
محمد عبداللہ فاروق: ''اقبال سہیل کی ادبی خدمات''
نگران: محمد ہاشم [20]

اس طرح کی کچھ اور مثالیں بھی ،خصوصاً بھارت کی جامعات میں مل جائیں گی۔
یہ صورت حال وقت ،وسائل اور صلاحیتوں کا ضیاع ہے۔ بقول ڈاکٹر گیان چند: ''اُردو کے وسائل محدود ہیں۔ یہ محدود وسائل تکرارِ تحقیق میں یعنی تحصیلِ حاصل میں ضائع ہو رہے ہیں اور ضروری موضوعات کم التفاتی میں رکھے ہوئے ہیں۔''[۲۱]

بہر حال ایک جامع فہرست کی دستیابی کے بعد دوسرے مرحلے میں ،راقم کی تجویز یہ ہے کہ جہاں کسی جامعہ کے اُردو شعبے کو''موضوعات نہیں ملتے'' کا مسئلہ درپیش ہو ،وہاں وہ شعبہ ،تحقیق و تدوین کا ذوق اور نسبتاً زیادہ معلومات اور تجربہ رکھنے والے پانچ سات پروفیسر حضرات کو اپنی جامعہ میں مدعو کرے۔ باہمی مشاورت سے تحقیق و تدوین کے لائق نئے موضوعات کی ایک فہرست زیرِ غور لائی جائے ،اس پر بحث و مباحثہ اور تبادل خیال ہو۔ اس عمل کے نتیجے میں آئندہ پورا سال شعبہ ،تحقیق کراتا رہے۔ پھر اسی فہرست کی بنیاد پر، ممکن ہے کچھ ایسے اصول سامنے آجائیں جن کی روشنی میں شعبے کو اپنی صواب دید پر نئے موضوعات تلاش اور وضع کرنے میں آسانی ہو۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو سال بھر بعد ،ایک بار پھر مل بیٹھ کر ،فہرست میں ردّو بدل اور اضافہ کرلیا جائے۔ دیگر جامعات کے اُردو شعبے بھی ، اگر اسی طرح کی مشق کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ موضوعاتِ تحقیق و تدوین کی تلاش و تعیین کا مسئلہ خوش اسلوبی کے ساتھ حل نہ کرلیا جائے۔

موضوع کی تلاش و تعیین میں کام یابی کے بعد ،منتخب موضوع کو مناسب و موزوں الفاظ کا جامہ پہنانے کا مرحلہ آتا ہے۔ اس سلسلے میں توجہ طلب امور یہ ہیں کہ:

(الف) عنوان مقالہ ہمیشہ مختصر اور جامع ہونا چاہیے۔ عنوان میں اختصار اور الفاظ کا جامع و بامعنی استعمال بڑی اہمیت اور کشش رکھتا ہے۔[۲۲] تحقیق شدہ بعض مقالوں کے عنوان میں ابہام اور بعض کی ترتیبِ الفاظ (wording) میں اناڑی پن دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ خیال آتا ہے کہ کاش ،ان عنوانات کو راہ نمائے تحقیق یا خود تحقیق کار کی ذرا سی توجہ حاصل ہوتی تو صحیح اور برمحل الفاظ اور ان کے موزوں دروبست کے ذریعے یقیناً عنوان بہتر ہوجاتا اور اس کا موجودہ ابہام اور ڈھیلا پن دور ہو جاتا ،مثلاً ایک موضوع ہے: ''دارلعلوم دیوبند کی تحریکِ آزادی کے سلسلے میں خدمات اور ہندوستانی ثقافت کے فروغ میں اس کا حصہ''۔

اول تو دو بالکل مختلف موضوعات (تحریکِ آزادی اور ہندوستانی ثقافت) کو ایک عنوان میں ''باندھنے'' کی مصلحت سمجھ میں نہیں آتی۔ دوم: یہ عنوان طویل ہے۔ ___ اگر اسے یوں کر دیا جاتا:

''تحریکِ آزادی اور ہندوستانی ثقافت، دارالعلوم دیو بند کی خدمات'' تو یہ زیادہ واضح اور مختصر ہو جاتا (۱۸ کے بجائے ۹ الفاظ)۔ ویسے تو یہ دو الگ الگ موضوع ہیں: ان کی سب سے بہتر صورت یہ ہوگی:

''تحریکِ آزادی: دارالعلوم دیو بند کی خدمات۔''

اور

''ہندوستانی ثقافت: دارالعلوم دیو بند کی خدمات۔''

ایک اور مثال:

''اُردو نثر کے غیر مذہبی ادب پر عربی ادب اور زبان کے اثرات''

اس کی حسبِ ذیل صورت بہتر ہوگی:

''غیر مذہبی نثری ادب پر عربی زبان و ادب کے اثرات'' (۱۳ کے بجائے، ۱۰ الفاظ)

ایک اور مثال:

''پاکستان کی اہم آپ بیتیوں کا تنقیدی جائزہ''

ہمارے خیال میں یہ عنوان اس طرح بہتر تھا:

''پاکستان کی اہم آپ بیتیاں''۔

(ب) بعض عنوانات مبہم اور غیر واضح ہوتے ہیں، مثلاً:

۱۔ ریاست میں اُردو افسانہ

۲۔ اصلاحاتِ اقبال کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

۳۔ پنجاب کی جامعات میں اُردو قواعد: ایک محاکمہ

پہلے عنوان سے اندازہ نہیں ہوتا کہ ''ریاست'' سے کیا مراد ہے؟ چونکہ یہ مقالہ کشمیر یونیورسٹی میں لکھا گیا، اس لیے اس عنوان کو یوں ہونا چاہیے تھا۔ ''ریاست کشمیر میں اُردو افسانہ''

دوسرے عنوان سے واضح نہیں ہوتا کہ اصلاحاتِ اقبال سے کیا مراد ہے؟ خیال آتا ہے شاید بشیر الحق دسنوی کی کتاب کا جائزہ مقصود ہوگا مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ

اقبال نے اپنی کلام پر نظر ثانی کرتے ہوئے جو اصلاحات اور تبدیلیاں کیں، مقالہ نگار کے پیشِ نظر اس نظر ثانی میں کی گئی اصلاحات کا جائزہ لینا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے حسبِ ذیل عنوان مناسب ہوگا:

''اپنے کلام پر اقبال کی نظر ثانی'' یا ''اقبال کی اصلاحات: اپنے کلام پر''

تیسرے عنوان میں ''اُردو قواعد'' ایک مبہم بات ہے۔ جامعات کے اُردو شعبوں میں داخلے یا تدریس کے قواعد' یا اُردو کے سلسلے میں جامعات کے مرکزی دفتری ضابطے اور قواعد، یا ایم فل اور پی ایچ ڈی کے ضمن میں قواعد؟ واضح نہیں ہوتا کہ یہاں ''قواعد'' سے کیا مراد ہے؟

خیال رہے کہ یہ سب ایسے عنوانات ہیں جن میں مختلف جامعات میں مقالے لکھے گئے یا زیرِ تحقیق ہیں، اسی طرح بعض عنوانات بدذوقی کا تاثر دیتے ہیں۔

(ج) بہت سے عنوانات میں ''تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کا لاحقہ لگا کر عنوان کو غیر ضروری طور پر طویل کر دیا جاتا ہے۔ مقالہ تو ہر ایک ''تحقیقی وتنقیدی'' ہی ہوتا ہے اور اُسے ہونا ہی چاہیے، اگر وہ ''تحقیقی وتنقیدی'' نہیں ہوگا تو پھر مقالہ ہی نہیں ہوگا۔ چنانچہ راقم کے خیال میں یہ لاحقہ زائد از ضرورت ہے۔

ایک آخری مگر اہم بات یہ ہے کہ موضوعِ تحقیق کی تلاش وتعیین اور مناسب وموزوں عنوان کے لیے نیز خاکہ نویسی کے مرحلے پر بھی امیدواروں کو تحقیق وتدوین کا تجربہ رکھنے والے ایسے اساتذہ سے لازماً مشورہ کرنا چاہیے، جن کی عمریں اسی دشت کی سیاحی میں گذری ہیں۔ وہ اس میدان کا طویل تجربہ رکھتے ہیں اور تجربے کا کوئی بدل نہیں۔

حوالے اور حواشی

۱۔ رشید حسن خان: ''ادبی تحقیق: مسائل وتجزیہ''۔ یونیورسل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۸ء، ص ۵۷۔

۲۔ کچھ عرصہ قبل ایک خبر میں بتایا گیا تھا کہ گذشتہ چھے برسوں کے دوران پاکستان میں پی ایچ ڈی کے طلبہ کی تعداد میں پانچ گنا اضافہ ہوا ہے اور تعداد ۶۴۱ سے بڑھ کر تین ہزار ہوگئی ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۳۰ اگست ۲۰۰۶ء)۔

۳۔ گیان چند: ''تحقیق کا فن''۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص ۷۱۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ ڈاکٹر عطش درانی: ''جدید رسمیاتِ تحقیق''۔ اُردو سائنس بورڈ ،لاہور،۲۰۰۵ء،ص ۸۷۔
۶۔ ڈاکٹر ابنِ کنول کی زیرِ نگرانی اس موضوع پر، کام مکمل کرنے پر دہلی یونیورسٹی نے محمد انیاز احمد کو پی ایچ۔ڈی ڈگری عطا کی۔
۷۔ یہ مقالہ شعبہ اُردو کراچی یونیورسٹی میں زیرِ تحقیق ہے۔ مقالہ نگار: مشیر علی۔
۸۔ بالعموم علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبہ اُردو ،اور اقبالیات کے طلبہ و طالبات کو اس آزمایش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
۹۔ علامہ اقبال: بانگِ درا: شیخ غلام علی لاہور،۱۹۷۳ء ص ۶۰۔
۱۰۔ گیان چند ،ص ۷۷۔
۱۱۔ ایضاً،ص ۸۰۔
۱۲۔ رشید حسن خاں ،ص ۱۲۔
۱۳۔ گیان چند،ص ۴۴۔
۱۴۔ اس تکرار کے اسباب متعدد ہیں :فہرستیں ناپید ،مختلف شعبے اپنی اَنا کا شکار اور اپنے خول میں بند، باہمی ربط و تعامل (Interaction) سے گریز پا اور امورِ تحقیق سے ایک عمومی عدم دل چسپی۔
۱۵۔ اخبارِ اُردو۔ اسلام آباد، جون ۲۰۰۷ء،ص ۵۔
۱۶۔ علامہ اقبال: بالِ جبریل، شیخ غلام علی لاہور،۱۹۷۳ء، ص ۷۶۔
۱۷۔ روزنامہ انقلاب، بمبئی، ۱۶اکتوبر ۲۰۰۵ء،ص ۸۔
۱۸۔ ڈاکٹر سلیم اختر'' :پاکستان میں تحقیق کی موجودہ صورتِ حال''۔ فکر و نظر علی گڑھ ،ستمبر ۲۰۰۵ء،ص ۱۲۔
۱۹۔ بحوالہ ''رفتار،شعبہء اُردو'' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا مجلّہ، ۴- ۲۰۰۳ء ص ۶۸۔
۲۰۔ ایضاً،ص ۷۰۔
۲۱۔ گیان چند :ص ۷۶۔
۲۲۔ معین الدین عقیل :''رسمیاتِ مقالہ نگاری''، ایک غیر مطبوعہ مقالہ،ص ۱۱۔

کتابیات

۱۔ رشید حسن خان: ''ادبی تحقیق :مسائل و تجزیہ'' علی گڑھ، یونیورسل بک ہاؤس ،۱۹۷۸ء۔
۲۔ عطش درانی، ڈاکٹر: جدید رسمیاتِ تحقیق، لاہور، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۵ء۔
۳۔ علامہ اقبال: بالِ جبریل، لاہور، شیخ غلام علی،۱۹۷۳ء۔
۴۔ علامہ اقبال: بانگِ درا، لاہور، شیخ غلام علی، لاہور۔
۵۔ گیان چند: ''تحقیق کا فن''، اسلام آباد، ''تحقیق کا فن''،۲۰۰۲ء۔

رسائل و جرائد

۱۔ ماہ نامہ ''اخبارِ اُردو، اسلام آباد، جون ۲۰۰۷ء۔
۲۔ روز نامہ ''انقلاب''، بمبئی، ۱۶، اکتوبر ۲۰۰۵ء۔
۳۔ ''رفتار'' شمارہ۴، شعبہ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت ۲۰۰۳ء۔
۴۔ ماہ نامہ ''فکر و نظر''، علی گڑھ، بھارت، ستمبر ۲۰۰۵ء۔
۵۔ روز نامہ نوائے وقت، لاہور، ۳۰، اگست ۲۰۰۶ء۔

غیر مطبوعہ

۱۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل: ''رسمیاتِ مقالہ نگاری''۔

O <------> O